غالب، عندلیب گُلشن نا آفریدہ

ڈاکٹر ریاضؔ احمد کمار

تلخیص: غالب ادب کی دنیا میں شاہین کی پرواز، خضر کی رہبری اور مجنون ادب کی مثال کی حیثیت سے ہمارے درمیان جدید دور میں بھی نظر آتے ہیں۔ انکا تخلیقی سرمایہ نہ صرف اپنے دور میں بلکہ موجودہ دنیا میں بھی سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ انہوں نے روش عام سے ہٹ کر الگ شاہراہ اختیار کی تھی، انہوں نے شعر وادب کو آفاقی اساس بخشا ہے۔ انکے کلام کو پڑھ کر معاشرے کا ہر فرد شوخ ظرافت کے ساتھ ذہنی سکون فراہم کر لیتا ہے۔ بقولِ رشید احمد صدیقی: ''انکی وجہ سے بارگاہ ایزد میں بھی ہماری توقیر میں اضافہ ہوگا''۔

کلیدی الفاظ: شکست وریخت، جلوہ صد رنگ، بازگشت، شعری پیکر، جدت طرازی

غالب کی آفاقیت گرچہ اپنے زمانے میں نہ ہونے کے برابر ہے مگر شہرت شعر بگیتی بعد من خواہشد ن یا حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا کی پیشن گوئی سچ ثابت ہوئی اور مستقبل میں بھی غالب شناسی کے شیدائی کلائی غالب کی عظمت کا اعتراف کرتے رہیں گے۔ غرض کہ غالب نے شعر وادب میں ایک ایسا تاج محل تیار کیا ہے جس میں صدیوں سے لوگ اپنا ظرف بمطابق استداد اور گن کی بنا پر اختیار کر رہے ہیں۔ غالب کی مقبولیت کا انحصار یا ان کی شخصیت کی عظمت صد ہا جلوہ رنگ کو وجہ سے ہے۔ جن کو دیکھ کر معاشرے کی آئینہ بندی ہو رہی ہیں۔ اس آئینے میں معاشرہ یا زندگی کا بھی پہلو ایسا نہیں ہوگا جس کی عکاسی نہ کی گئی

ہو۔ ہر بڑی شخصیت مختلف عہد میں لوگوں کے ہاتھوں میں آئینہ دیتا ہے اور اس آئینے میں وہ تصویریں ابھرتی ہیں جس میں ماضی کی بازگشت، حال کی تصویروں اور مستقبل کی آوازیں موجود رہتی ہیں۔ غالب وہ آئینہ ہے جس میں صدیاں اپنا چہرہ دیکھتی ہیں اور بیک وقت تینوں آوازوں کی صدائیں سننے کو ملتی ہیں۔ غالب کی جو تصویر ادب میں کی دنیا میں سامنے آئی وہ بحیثیت مجموعی ایک آزاد منش، روشن خیال اور بت شکن کی تصویر تھی جو ایک تہذیب کی ٹوٹتی ہوئی آواز ہی نہیں بلکہ اپنے رور کا تماشائی اور نئی تاریخی قوتوں کا مجتہد اور امام بھی تھا کیونکہ اس کا عہد شکست وریخت اور تعمیر وتخریب کا دور تھا مگر اسکے باوجود وہ امروز اور فکردہ کے سرخیل مانے جاتے ہے۔

غالب کون ہے اسکو جاننے کیلئے انکا کلام ہی رہبری اور رہنمائی کا سبب بن سکتا ہے۔ انکے کلام کا مطالعہ کر کے انکی شخصیت کے پہلوؤں کی نمایدگی کا اظہار ہوسکتا ہے۔ نقش فریادی سے لیکر.....اور پندرہ قصائد کو پڑھ کر ہم غالب کو پہچان سکتے ہیں۔ جبکہ انکے خطوط کا سرمایہ بھی انکی شخصیت کا آئینہ پیش کرتی ہے۔ انکے مجموعے کلام کا احاطہ کرنے کے بعد ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ غالب کی شخصیت مجموعہ اضداد ہے، انکے کلام میں وافر مقدار میں ایسے اشعار ملتے ہیں جن کی معنویت اور فنی لطافت ذہن انسانی کو دعوت فکر دیتی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ زندگی کے مختلف پڑاؤ اور کائنات کے مسائل اور انکے اسرار ورموز کی عقدہ کشائی انکا حکیمانہ ذہن مختلف طریقوں سے حل کرنے میں مدد کرتا ہے۔ اسی لئے خواجہ الطاف حسین حالی نے لکھا ہے کہ مرزا غالب کے دیوان کو پڑھ کر ہمیں ایک اور سماں نظر آتا ہے۔ اس میں ہم کو ایک میدان کا رہنے والا پہاڑ پر جا کر بالکل ایک نئی اور نرالی کیفیت کا مشاہدہ کرتا ہے۔ اس لئے ان کا دیوان متضاد اور متنوع رجحانات کا ایک ایسا مجموعہ ہے جس پر انکی اپنی نا قابل تردید چھاپ ہے۔ ان کے دیوان میں فلسفہ حیات وکائنات، زندگی کی جولان گاہی اور خارہ شگافی، نامساعد حالات کی عکس بندی، جدت طرز بیان کی ادائیگی، انا یا خودداری کے متحرک پہلو اور محبت ونفرت کے جذبے شعری پیکر میں معنویت کے ساتھ جہانِ تازہ کی طرح موجود ہے۔

غالب کا شیوۂ گفتار کہاں سے لاؤں یا گرمئی نشاط تصور سے نغمہ سنج ہی ہمیں ایک

گہرائی ،ایک حکیمانہ، ایک سچی اور ایک بصیرت عطا کرتی ہے، جوفکری وفنی اور احساس و جذبات کی جولان گاہوں میں ہمارا ہاتھ تھام کے سایہ کی طرح ساتھ رہتا ہے۔ غالب کی شاعری میں کئی پرچھائیاں دکھائی دیتی ہیں اور ہر ایک انسانی اور روحانی چھاپ دکھائی دیتی ہے ایک مفکر شاعر کی حیثیت سے وہ زندگی کے تمام اسرار و رموز کی وادیوں سے خاک چھانتا ہوا نظر آتا ہے اور وہ وادیاں ان کیلئے مسکن کا سامان فراہم کرتی ہے، جس میں انہیں اپنے دل کی دھڑکن کی چاپ ، اپنی ذات کو بے نقاب کرنے کا موقع ،مربوط، معین اور مسلسل نظام خیال کی جولان گاہیں دکھتی رہی ہیں۔ چونکہ یہاں اسرار کائنات کے ہر راز پر پردے کا پیراہن لگا ہوا ہے اسلئے غالب ایسی شاعری اے ان رازوں سے حجاب کے پردے اٹھانے کی کوشش میں کوٹ نظر آتے ہیں ۔ ان کے مطابق یاں ورنہ جو حجاب ہے پردہ ہے ساز کا مفہوم ہی یہی کہ وہ کہ محرم کے نواہائے راز سے واقف ہونے کی کوشش میں ہے۔ جس سے تلاش وجستجو کی تمنا میں خار مفیداں کی راہ میں آبلہ پا کے کھٹکے کبھی کم نہیں ہوتے ہیں۔ ڈاکٹر محمد حسین نے صحیح لکھا ہے کہ ''غالب کے کلام کا تنوع اور رنگارنگی جو نئی نسل کے تقریبا ہر مزاج کیلئے کشش رکھتی ہے، غالب ایک انوکھا آئینہ خانہ ہے جن میں ان کے دور کی رنگ برنگی تصویریں ہیں۔ مگر ان تصویروں کی پہچان صرف ان کے دور پر بھی ختم نہیں ہوتی اس کا سلسلہ آج سوسال سے زیادہ وقت گزر جانے پر بھی جارہی ہے۔ آج کا دور بھی ان تصویروں میں اپنے آپ کو پہچانتا ہے اور حیرت میں رہ جاتا ہے کہ سوسال پہلے اس کا کرب اور اضطراب اس کی اندرونی خلش کا نقشہ کیونکہ کھینچتا گیا سوسال سے زیادہ ہوئے جس میں آوازیں ابھری تھی جو آج بھی ہمارا پیچھا کر رہی ہیں اور جس میں آج بھی نئی نسل اور نئے ذہن کے کچھ مانوس آہنگ کچھ جانے پہچانے لہجے کچھ شناسا صدائیں سنائی دیتی ہیں ان میں گرمی اور حلاوت ہے نرمی اور رنگین پن جو دامن گیر ہوتا ہے اس میں غالب کی پیمبرانہ پیشن گوئی ور مستقبل شناسی کا دخل ہو یا نہ وہ انسان اور کائنات کے ابدی تعلق کا فردو ارض ہے جو غالب کی شاعری کا موضوع بنا ہے۔ غالب نے جس چوراہے پر کش مکش میں مبتلا چھوڑا ہے ابھی تک انسان وہاں سے آگے نہیں بڑھا ہے۔ حیرت اور کشاکش نے آج بھی اس کا پیچھا نہیں چھوڑا ہے انسانی جبلتوں کے رمز شناس کلام میں اسی بناء پر نئے ذہن

کو ایک کشش محسوس ہوتی ہے اور نیا ذہن آج بھی غالب سے محسور اور ارشار ہے۔ یہ وہ دور تھا جہاں بستیاں کھنڈرات میں تبدیل ہو رہی تھیں۔ صدیوں کی حکمتیں خوموش چراغ دکھ رہی ہیں، قدم قدم پر حلقہ کام صد نہنگ کا عالم نظر آ رہا ہے۔ ہنگامہ رستا خیز کا عالم در و دیوار کی سبزہ زاروں کی صورت میں نظر آتا ہے۔ لطمہ موج کی تھپیڑوں میں انسانیت کی کشتی ہچکولے کھا رہی ہے۔ حاکموں کی عزت و افزائی ''دو گز زمیں بھی نہ ملی کوئے یار میں'' کی صورت میں جلوہ گر گر ہو رہی ہے۔ کعبہ میرے آگے اور کلیسا میرے پیچھے کی مانند دنیا نظر آ رہی تھی۔ انہی کیفیات نے انسانیت کی سر بلندی کی تطاریخی کر دی اور غالب جس حساس ذہن کا مالک تفرق عالم میں صلح کل طبیعت کی صورت میں جمعیت کا بیج لے کر اعلیٰ انسانیت کے فرائض انجام دے رہا ہے۔

چونکہ غالب اپنے دور میں ایک زبردست تہذیبی بحران کے شکار تھے۔ بے بسی اور کسمپرسی کا احساس نے ان کے ذہن کو جھنجوڑ کے رکھ دیا تھا۔ ذہنی علیحدگی، تنہائی کا شدید احساس، روحانی کرب، سماجی بے تعلقی اور دار و رسن کی آزمائش تہذیبی اقدار کے آئینہ کی مسخ شدہ کر رہی ہیں۔ فرد کی قوت سلب ہو چکی تھی۔ ہر شخص کسی نہ کسی قفس میں صورت یوسف کی شکل میں نظر آ رہا تھا۔ کسی کو اس سے باہر نکلنے کی نہ تو ہمت ہے اور نہ ہی خواہش کا اظہار سامنے آ جاتا ہے۔ تہذیب کے پرانے اور نئے معیارات کے آپسی تصادم نے ان کے ذہن کو متاثر کیا تھا۔ فرد سماجی اور اجتماعی رشتوں کے تقدس کو بھلا کر تن تنہا اپنی ذات کی خول میں سمت کے رہ گیا تھا۔

جمعیت کی بیساکھی ختم ہو چکی تھی۔ ہر فرد محشر خیال بن چکا تھا۔ خوف و دہشت کے ماحول نے اہل قلم کے ہاتھوں میں رعشہ پیدا کر دیا تھا۔ لیکن ان حالات میں بھی غالب جنوں کی حکایات کو بیاں کرنے میں خون چکیدن سے ہاتھ ہمارے قلم ہوئے کا رویہ اختیار کر لیتے ہیں وہ یکلخت خوف و ہراس کے پیر شمہ پا کو اپنے کاندھوں سے اتار پھینک کر اپنے عہد کے پروردہ آزادی اظہار کے مسئلے کو بخوبی احسن حل کر لیتے ہیں۔ ان کی آواز یہاں بھی اقبال کے روپ میں نظر آتے ہیں۔ ایسے خوف و ہراس اور شکست و ریخت میں بھی وہ یوں دعوت دیتے ہوئے ہمارے درمیاں نظر آتے ہیں۔ غالب کا ذہن کھلی کتاب کی طرح

تھا جس میں انسانیت کی جھلکیاں جابجا محسوس ہو رہی تھی۔ انسانیت ان کا مذہب تھا۔ کسی مسلک سے نفرت نہ تھی۔ ان کے جوشوں کا حلقہ وسیع تھا جس میں ہر طبقہ کے افراد شامل تھے۔ غالب سب کو اپنا بھائی اور سب کی دلجوئی اپنا فرض سمجھتے تھے۔ ہر مکتبہ فکر کو احترام کی نظر سے دیکھتے تھے کہ یہ خیال ذہن نشین رہتا تھا۔

بنی آدم اعضائے یک دیگرند' اسی آواز میں ہم سے مخاطب ہوتے ہیں کہ دنیا میں مختلف مسلک کے لوگ زندگی گزار رہے ہیں جو اپنے اپنے نظریات کی بنیاد پر لوگوں کے درمیان اختلاط کے ساتھ ساتھ تفرق کا بیج بو دیتے ہیں اور کبھی کبھی یہ بیج بڑے سے بڑے بادشاہوں کو بھی گھمسان کی رن کروا کے عمر عزیز سے ہاتھ دھونے پر اکسا رہے ہیں اور کبھی باپ اور بیٹوں کی محبت کو پارہ پارہ کر دیتا ہے اور کبھی معاشرے کے اتحاد و اتفاق میں نفرت کی لو کو تیز کر کے کف جات میں خون آرزو کا چشمہ بہا رہتے ہیں۔ غالب ان خیالات میں ہمارے ذہن کو جھنجوڑ رہا ہے عداوت کی اس لہر نے انسانیت کے آئینے کو اس کارگہہ شیشہ گری میں ہزار ہا رخنہ پیدا کئے ہیں۔ اس لئے اتحاد و اتفاق اور جمعیت کی آواز کی بازگشت اطراف و اکناف میں بلند ہونی چاہیے۔ اس کی خاص وجہ یہ بھی تھی کہ وہ اپنے دور کے آئینے میں مستقبل کی عکس بندی بھی کر رہے ہیں۔ اس لئے وہ پار کرتے رہتے ہیں کہ آزاد ہوں مرا مسک ہے صلح کلی۔ ہرگز کبھی کسی سے عداوت نہیں مجھے اور اسی آواز میں عدام اقبالؒ 'ربط قائم' فرد ملت، ہندی، لمبی سنانی بنیاد کو ایک ہی پلیٹ فاعم پر لانی کی کوشش کر رہے تھے۔

بقول ڈاکٹر کامل قریشی

> ''غالب قلندر مشرب، آذرو، صلح کل طبیعت کے انسان تھے۔ یہ خصوصیت جس شخص میں ہوتی ہے اس میں اعلی انسانیت کا جواہر ہونا یقین امر ہے۔ ان کی طبیعت مفلوک حالوں، غریبوں اور پریشان لوگوں کو دیکھ کر بے چین ہو جاتی تھی۔ وہ کسی حال میں ضرورت مندوں کی مدد کرنا اپنا فرض سمجھتے تھے۔ کسی سے لڑنا جھگڑنا یا لاگ ڈانٹ پر خاش رکھنا انکی عادت میں نہ تھا۔ وہ نہایت نیک نفس،

خوددار،خلیق،تواضع،نرم طبیعت اور با مسلمان اللہ اللہ بابر ہمن رام رام کے قائل تھے۔

(بحوالہ غالب کی مثال انسان از ڈاکٹر کامل قریشی مشمولہ غالب نامہ، غالب انسٹی ٹیوٹ دہلی، صفحہ نمبر ۲۰۴۔)

مرزا غالب کی کردار نگاری میں رواداری، شرافت، وفاداری، بے نفسی، وضع داری اور اخلاص و دوستداری انکی سرشت میں داخل تھی۔ کسی کیلئے دشمنی عداوت یا بغض وحسدان میں نام کو نہ تھا، حالانکہ زندگی میں اوروں سے انہیں نیابت اور ناخوشگوار تعلقات بھی رہے۔ اسکے باوجود بھی وہ کہتے ہیں:

کہوں کیا خوبی اوضاع ابنائے جہاں غالب
بدی کی اس نے جس سے ہم نے کی تھی بار ہا نیکی
بیگانگی خلق سے بے دل نہ ہو غالب
کوئی نہیں تیرا تو میری جان خدا ہے
یوں ہی دکھ کسی کو دیتا نہیں خوب ورنہ کہنا
کہ میرے عدد کو یارب ملے زندگانی

غالب دیدۂ بینائے قوم ہے جس نے زمان و مکان کی حدود کو بحر بیکراں کی صورت میں تبدیل کر کے اپنی آواز کو زندہ تابندہ رکھا ہے۔ ان کے دیوان میں دریتیم کے موتی بکھرے ہوئے نظر آتے ہیں جس میں ہر انسان انتشار میں سکوں کا، تکلیف میں مرہم کا اور بے ثباتی میں استقلال کا سرمایہ حاصل کرتا ہے اور اپنے گردوپیش کی دنیا سے اپنا رابطہ قائم کرتا ہے۔ غالب عہد حاضر کے تقاضوں سے اپنا رشتہ نبھانے میں بھی حریف مے مرد افگن عشق کے مترادف نظر آتے ہیں۔ انکے نقش پا جدید دور میں بھی پرتوے شبنم کی بصیرت عطا کرتا ہے۔

اسلئے سید احتشام نے لکھا ہے کہ ''غالب نے اپنی خیال انگیزی کے ذریعے آج کے انسانوں سے زندہ قائم کر رکھا ہے، آج بھی انکے خیالات کی توانائی، انسانی مسائل کو سمجھنے کی جدوجہد، زندگی کی بصیرت، ظلم و جبر سے نفرت، حسن اور حق پسندی سے محبت اور انسانی

عظمت کا احساس دلوں کی دھڑکن کو تیز کرنا ہے۔فن کے نظریات بدل چکے ہیں اور بدل رہے ہیں لیکن ان زندہ شاعروں کو پڑھتے ہوئے بڑی پیچیدہ اور نازک طریقوں سے ہم نوائی اور اشتراک کے جذبات کا احساس پیدا ہو جاتا ہے۔مرزا غالب کی شاعری کا مطالعہ اسی حیثیت سے آج کے قاری کے لئے معنی خیز بنتا ہے۔''

دور جدید کے مسائل اور غالب کی عصریت کا ربط نہایت نازک ہے کیونکہ انسان کی تاریخ میں تغیرات اور زمانے کا جبر ہر وقت نمایاں ہے۔تغیرات کے بہاؤ میں عینیت (Identity) کو برقرار رکھنا زیست عین رحمت ہے۔اسی لئے غالب اپنے دور میں الگ راہ نکالنے پر مجبور ہو گئے اور اپنے عہد میں شہرت عام اور بقائے دوام کی شہرت نہ پا کر بھی بانگ درا کی آواز کو اس زور سے بجا کر گئے کہ انکے نغمے آج بھی برصغیر ہندو و پاک کے طول وعرض میں گنگنائے جاتے ہیں۔بقول محمد حسن آزاد''غالب اگرچہ سب سے پیچھے تھے پر کسی سے نیچے نہیں تھے۔بڑی دھوم دھام سے آئے اور ایک نقارا اس زور سے بجایا کہ سب کے کان گنگ کر دئے کوئی سمجھا اور کوئی نہ سمجھا مگر سب واہ واہ اور سبحان اللہ کر گئے''

غالب کی اسی بازگشت کو اقبال نے بھی اپنے عہد میں محسوس کیا اور انکی عقیدت واحترام اور انکے فکر وفن کے مختلف تصورات کو اپنی شاعری کا محور ومرکز بنا دیا۔اگر یوں کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا کہ اقبال کی آواز غالب کے اقدار کی نئی حیثیت کو برقرار رکھتی ہے اور انکی فلسفانہ اور نکتہ سنج تصورات کو اپنے پیراہن میں بیان کر دیتے ہیں۔اقبال کی دور اندیشی اور مفکرانہ سوچ نے غالب کی شخصیت کو اپنے دور میں محسوس کر لیا اور غالب شناسی کی ضرورت کو ابھارا بھی۔

○○○